Fikr-o-Nasar (Islamabad) 3:4 (1965)
© rasailojaraid.com

دین اور شرائع

محمد سرور

دین اسلام کسی ایک ملک، قوم یا زمانے کے لئے مخصوص نہیں۔ اسلام تمام انسانیت کا دین ہے۔ اور قرآن کریم انسانیت کے اسی دین کا ترجمان ہے۔ قرآن کی تعلیم عالم گیر اور همه گیر ہے، جتنی کہ خود انسانیت ہے۔ مشیت ایزدی کا ظہور انسالیت کے تقاضوں کی صورت ہی میں ہوتا ہے۔ قرآن چونکہ انسانیت کے انہی تقاضوں کا آئینہ دار ہے، اس لئے وہ خدا کا قانون ہے۔

اس عالم گیر قانون کو حجاز میں عملی جامہ پہنایا گیا۔ یہ جامہ اس عالم گیر قانون کی ایک تعبیر ہے۔ جو زمانہ، ماحول، اور اہل حجاز کی طبیعت کے مطابق کی گئی۔ اس تعبیر کو اصل قانون کی طرح عمومی اور ابدی سمجھنا ٹھیک نہیں۔ لیکن اس تعبیر کو عالم گیر قانون کے خلاف یا اس پر زائد جاننا بھی غلط ہے۔ سنت اسی عالم گیر قانون کے حجازی جامہ کی ایک تصویر ہے اور اس سے قرآن کے عالم گیر قانون کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ بعد ازاں جب اسلام کی سلطنت وسیع ہوئی۔ اور عربوں کے علاوہ غیر عرب قومیں بھی مسلمان ہو گئیں تو قرآن کی عمومی تعلیم اور اس کی حجازی تعبیر کی روشنی میں فقہ کے دوسرے مذاہب وجود میں آئے۔ اب اسلام ایک قوم تک محدود نہ رہا تھا۔ بلکہ دنیا کی دوسری بڑی بڑی قومیں بھی مسلمان ہو چکی تھیں۔ اس لئے ہر قوم اور ملک میں وہاں کے خاص حالات اور طبعی رجحانات کے مطابق فقہ کے مذاہب بنے۔

مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم نے ایک دفعہ فرمایا کہ دین صرف قرآن میں منحصر ہے۔ اور قرآن ہی دین کا قانون اساسی ہے اور آیت ''وما ینطق عن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الھویٰ ،، سے مراد صرف قرآن مجید ہے ۔ حدیث دراصل قرآن سے مستنبط ہے ۔ اور فقہ حدیث سے استنباط کی گئی ہے ، رسول اللہ صلعم نے قرآن مجید سے خود سمجھ کر (جیسے شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں) یا مستقل وحی سے اخذ کر کے (جیسے عام اہل علم کہتے ہیں) قرآن پر عمل کرنے کا مفصل پروگرام بنایا ، جسے علماء حدیث نے بڑی محنتوں سے دو سو برسوں کے عرصے میں جمع کیا ۔ مولانا کا کہنا یہ ہے کہ اسلام کی اجتماعی اساسی تحریک قرآن شریف میں منضبط ہے ۔ اور وہ غیر متبدل رہے گی لیکن جہاں کہیں کسی قانون پر عمل درآمد شروع ہوتا ہے ، تو مخاطبین کی حالت کے مطابق چند تمہیدی قوانین بنائے جاتے ہیں ۔ قانون اساسی تو غیر متبدل ہوتا ہے لیکن تمہیدی قوانین ضرورت کے وقت بدل سکتے ہیں ۔ ہم سنت ان تمہیدی قوانین کو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلعم اور آپ کے بعد خلفاء ثلاثہ نے مسلمانوں کی مرکزی جماعت کے مشورے سے تجویز کئے ۔ مولانا کے نزدیک یہ سنت قرآن ہی سے مستخرج ہے ۔ جس کی اصطلاح میں اس کو ” بائی لاز ،، کہا جاتا ہے ۔ جیسے تعزیرات ہند اصل ہے ۔ اور ضابطۂ فوج داری ” بائی لاز ،، ۔ اول قانون ہے ، اور دوسرا اس کی تفصیل ۔

اسی سلسلے میں مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم (ذکر آزاد ۔ مرتبہ ملیح آبادی ص ۱۳۳) فرماتے ہیں ۔

” حدیث صحیح عبادات میں حجت ہے — اخلاق و معاشرت کے سلسلے کی احادیث ایسی ہیں کہ ساری دنیا کا لٹریچر ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا مگر حدیث انسانی سوسائٹی کے لئے قانون کا سوتا نہیں ہو سکتی ۔ عالمگیر ہدایت کا ضامن قرآن ہے اور قرآن معدودے چند قوانین کا حامل ہے ۔ یہ اس لئے کہ کوئی قانون بھی اختلاف ازمنہ و حالات کی وجہ سے ساری دنیا پر نہ نافذ ہو سکتا ہے نہ مفید ہو سکتا ہے ۔ یہی سبب ہے کہ خود منصوص قوانین قرآنیہ کے التوا کا اختیار امام المسلمین کو بخش دیا گیا ہے ۔ آپ دیکھتے نہیں کہ حضرت عمر نے منصوص قانون طلاق میں ترمیم کردی ۔ عام الرمادہ میں چور کا ہاتھ کاٹنے سے منع کیا کیونکہ لوگ قحط زدہ تھے ۔ اور مولفۃ القلوب کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کا مال دینے سے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ اب اسلام طاقتور ہوچکا ہے - اور غیر مسلموں کے تالیف کی ضرورت باقی نہیں رہی - حضرت عمر کے یہ فیصلے صحابہ نے منظور کر لئے۔ کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ دراصل شریعت کی اساس جلب مصالح اور دفع مفاسد پر ہے '' -

غرض مولانا سندھی کے الفاظ میں '' قرآن مجید کی حیثیت قانون اساسی کی ہے - یہ غیر متبدل ہے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تعلیم سے اس قانون اساسی پر عمل کرنے والی صحابہ کی ایک جماعت تیار ہوئی ، جسے قرآن میں ''السابقون الاولون من المھاجرین و الانصار'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے، اس جماعت نے قران کی روشنی میں اور اس سے استنباط کرکے جو تمہیدی قوانین بنائے، وہ سنت ہے -

الغرض دین کا اصل اساس قرآن ہے - اور قرآن نے جس قسم کی زندگی پیدا کی ، اور اس سلسلے میں جو تمہیدی قوانین بنے اس کی صحیح ترین تصویر امام مالک کی کتاب ''مؤطا'' میں ہے - مولانا سندھی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجاز کی رجعت پسند قوتوں کو ختم کیا - حضرت ابو بکر رضؓ کا عہد عرب قبائل کی رجعت پسند طاقتوں کو مٹانے میں گزرا - حضرت عمر رضؓ کے زمانے میں دو ترقی یافتہ دشمن سلطنتوں کو ختم کیا گیا - اور ایک نیا نظام معرض وجود میں آیا بنو امیہ کے زمانے میں گو حکومت پر عربی رنگ غالب آ گیا لیکن مسلمانوں کا ذہنی مرکز بدستور مدینہ ہی رہا چنانچہ اس مرکز کا حاصل علم '' مؤطا '' ہے - اور یہی سارے فقہی مذاہب کی اصل ہے - ایک طرف امام شافعی نے جو عربی فقہ کے بانی ہیں - امام مالک سے '' مؤطا '' پڑھی دوسری طرف امام ابو حنیفہ کے دونوں شاگردوں نے جو اپنے استاد کے ساتھ حنفی فقہ کو ترتیب دینے میں برابر کے شریک تھے ''مؤطا'' سے استفادہ کیا اور پھر بعد میں جب حدیثوں کے دوسرے مجموعے مرتب ہوئے تو ان ائمہ حدیث کے پیش نظر بھی '' مؤطا '' کی شرح و تفصیل رہی -

مولانا سندھی کے نزدیک موطا امام مالک ایسی مرکزی کتاب ہے جس پر سارے فقہا اور محدثین متفق ہیں - نیز '' مؤطا '' میں جو روایتیں درج ہیں ، ان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خصوصیت یہ ہے کہ روایت کرنے والوں کی پرکھ زیادہ مشکل نہیں - کیونکہ عموماً ایک سلسلہ روایت میں ایک دو ہی راوی ہوتے ہیں - جن کا اکثر حصہ علمائے مدینہ سے ہے : جن کو ائمہ مسلمین معتمد علیہ اور ثقہ مانتے ہیں - ''مؤطا'' کے بارے میں شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو شخص ان کے مذاہب کی چھان بین کرے اور وہ انصاف سے کام لے تو لامحالا اسے ماننا پڑے گا کہ امام مالک کے مذہب کا اساس اور مدار تو ''مؤطا'' ہے ہی ' شافعی اور احمد حنبل کے مذاہب کی بنیاد بھی اسی پر ہے اور ابو حنیفہ اور ان کے دونوں شاگردوں کے مذاہب کے لئے ''مؤطا'' ہی شمع ہدایت ہے۔ گویا یہ مذاہب شرح ہیں اور ''مؤطا'' متن اور یہ شاخیں ہیں اور وہ تنا - یہ لوگ امام مالک کے استنباط کی تو مخالفت کرتے ہیں - مگر ان کی روایت کا انکار نہیں کرتے - اس کے علاوہ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حدیث کی کتابیں مثلاً صحیح مسلم ' ابو داؤد ' نسائی ' صحیح بخاری اور ترمذی ''مؤطا'' ہی کی شرحیں ہیں -

مختصراً قرآن کی تعلیمات انسانیت کی طرح عالم گیر ' ہمہ گیر اور دائمی ہیں - وہ ہر ملک کے لئے ہیں ، ہر قوم کے لئے ہیں ، اور ہر زمانے کے لئے ہیں - لیکن یہاں کسی کو یہ گمان نہ گزرے کہ ''مؤطا'' میں جس نظام کو مدون کیا گیا ہے - قرآن کی ساری کی ساری تعلیمات اسی میں منحصر ہیں - بے شک مدینہ کی سوسائٹی قرآنی تعلیمات کا نتیجہ تھی - اور خلافت راشدہ کے دور میں مسلمانوں کی جو زندگی تھی وہ قرآن کے احکام کے مطابق ہی تشکیل ہوئی - لیکن اس سے یہ سمجھ لینا کہ قرآن اسی زندگی میں محدود ہو گیا' ٹھیک نہیں -

اسلام کی تعلیمات کی عمومیت اور خصوصیت یا دوسرے لفظوں میں حکمت اور فقہ کا بیان کچھ تفصیل چاہتا ہے - مولانا شبلی نے اپنی کتاب ''الکلام'' میں اس موضوع پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے - موصوف لکھتے ہیں کہ مذہب کے متعلق بہت بڑی غلطی اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ لوگ انبیاء کے اصول طریقۂ تعلیم کو ملحوظ نہیں رکھتے - علم کلام کی کتابوں میں اس ضروری نکتہ کو نظر انداز کر دیا گیا ہے - لیکن امام رازی نے مطالب عالیہ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن رشد نے کشف الادلہ میں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں تفصیل کے ساتھ یہ اصول بیان کئے ہیں - ان میں ضروری الذکر یہ ہیں :—

(۱) انبیا کو اگرچہ عوام و خواص دونوں کی ہدایت مقصود ہوتی ہے - لیکن چونکہ عوام کے مقابلے میں خواص کی تعداد اقل قلیل ہوتی ہے - اس لئے ان کی طرز تعلیم اور طریقۂ ہدایت میں عوام کا پہلو زیادہ ملحوظ ہوتا ہے - البتہ ہر جگہ ضمن میں ایسے الفاظ موجود ہوتے ہیں جن سے اصل حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور جس کے مخاطب خواص ہوتے ہیں - امام رازی نے آیات متشابہات کے ورود کے متعلق سب سے قوی وجہ یہ بیان کی ہے کہ " قرآن ایسی کتاب ہے جس سے خاص و عام سب کو حق کی طرف دعوت دی گئی ہے اور عوام کا یہ حال ہے کہ ان کی طبعیت اکثر امور میں حقائق کے ادراک کا انکار کرتی ہے - اسی لئے مصلحت یہ تھی کہ ایسے الفاظ کے ساتھ حقیقت واقعی بھی ملحوظ ہو " - (تفسیر کبیر آل عمران آیت ھو الذی انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات) -

ابن رشد فصل المقال میں لکھتے ہیں — شریعت کا مقصود اولی جمہور عوام کے ساتھ اعتناء کرنا ہے - تاہم خواص کی تنبیہ سے بھی چشم پوشی نہیں کی جاتی -

(۲) انبیاء لوگوں کی عقل و علم کے لحاظ سے ان سے خطاب کرتے ہیں - لیکن اس علم و عقل کے لحاظ سے جو اکثر افراد میں پائی جاتی ہے - اکتساب، مجاہدہ، مراقبہ، ممارست کی وجہ سے جو علم و عقل پیدا ہوتی ہے، وہ انبیاء کے خطاب کا موضوع نہیں- شاہ ولی اللہ صاحب حجۃاللہ البالغہ میں فرماتے ہیں :- " اور انبیاء کے اصول میں سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگوں سے ان کی خلقی عقل کے موافق خطاب کرتے ہیں - اس لئے انبیاء نے محض اس فہم و ادراک کے لحاظ سے خطاب کیا جو ان لوگوں کی خلقت میں ودیعت ہے - چنانچہ انبیاء نے لوگوں کو یہ تکلیف نہیں دی کہ وہ خدا کی تجلیات، مشاہدات، براہین اور قیاسات کے ذریعے سے پہچانیں نہ ان کو اس بات پر مکلف کیا کہ وہ خدا کو ہرجہت اور ہر حیثیت سے منزہ خیال کریں -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳) سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ امر ہے کہ انبیاء تہذیب اخلاق اور تزکیۂ نفس کے سوا اور قسم کے مسائل اور مباحث اور حقائق سے متعرض نہیں ہوتے ، اور اس قسم کے امور کے متعلق جو بیان کرتے ہیں تو انہی کی روایات اور خیالات کے مطابق - اور اس میں بھی استعارات اور مجازات سے کام لیتے ہیں ۔ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ انبیاء کے اصول میں سے ایک بات یہ ہے - کہ جو امور تہذیب نفس اور سیاست قومی سے تعلق نہیں رکھتے ، ان میں وہ دخل نہیں دیتے - مثلاً کائنات الجو یعنی بارش ، گرہن ، ہالہ کے پیدا ہونے کے اسباب ، نباتات اور حیوانات کے عجائبات ، چاند سورج کی رفتار کی مقدار اور حوادث یومیہ کے اسباب ، انبیاء ، سلاطین اور ممالک کے قصے وغیرہ وغیرہ ، ان چیزوں سے وہ بحث نہیں کرتے مگر ہاں چند معمولی باتیں جن سے لوگوں کے کان مانوس ہو چکے ہیں ، اور ان کی عقلوں نے ان باتوں کو قبول کر لیا ہے اور ان باتوں کو بھی وہ لوگ خدا کی شان اور قدرت کے ذکر میں ضمنی طور پر اجمالاً بیان کرتے ہیں - اور اس میں مجاز اور استعارہ سے کام لیتے ہیں - اور اسی اصول کی بناء پر جب لوگوں نے آنحضرت سے چاند کے گھٹنے بڑھنے کا سبب پوچھا تو خدا نے اس جواب سے اعراض کیا - اور اس کے بجائے مہینوں کا فائدہ بیان کر دیا چنانچہ فرمایا - " یسئلونک عن الاھلۃ الخ ، — اور اکثر لوگوں کا مذاق ان فنون کے ساتھ مالوف ہونے کی وجہ سے خراب ہو گیا ہے تو یہ لوگ انبیاء کے کلام کو خلاف حقیقت محل پر محمول کرتے ہیں -

(۴) ایک عام اصول جس پر تمام انبیاء کا عمل رہا یہ ہے کہ وہ جس قوم میں مبعوث ہوتے ہیں اس کے اکل و شرب ، لباس ، مکان ، سامان آرائش ، طریقہ نکاح ، زوجین کے عادات ، بیع و شرا ، معاصی پر داروگیر ، فصل قضایا غرض اس قسم کے تمام امور پر نظر ڈالتے ہیں ، اگر یہ چیزیں ویسی ہیں ، جیسا ان کو ہونا چاہئے ، تو پھر کسی قسم کا تبدل و تغیر نہیں کرتے - بلکہ ترغیب دلاتے ہیں کہ یہ رسوم و آئین ، صحیح اور واجب العمل اور مبنی علی المصالح ہیں - البتہ اگر ان میں کچھ نقص ہوتا ہے ، مثلاً وہ آزار رسانی کا ذریعہ ہوں - یا لذات دنیوی میں انہماک کا باعث ہوں ، یا اصول احسان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مخالف ہوں یا انسان کو دنیاوی اور دینی مصالح سے بے پروا کر دینے والے ہوں، تو ان کو بدل دیتے ہیں - وہ بھی اس طرح نہیں کہ سرے سے انقلاب کر دیں بلکہ اس قسم کی تبدیلی کرتے ہیں جس کے مشابہ کوئی چیز قوم میں پہلے سے موجود ہوتی ہے یا ان لوگوں کے حالات میں اس کی مثالیں پائی جاتی ہیں جن کو قوم اپنا مقتدا اور پیشوا تسلیم کرتی آئی ہے شاہ صاحب یہ اصول نہایت تفصیل سے بیان کر کے لکھتے ہیں :- (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۰۹ و ۱۱۰) '' اور اسی وجہ سے انبیاء کی شریعتیں مختلف ہیں اور جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں ' وہ جانتے ہیں کہ شریعت نے نکاح ' طلاق ، معاملات ، آرائش ، لباس ، قضا ، تعزیرات ' غنیمت میں کوئی ایسی بات پیش نہیں کی جس کو لوگ سرے سے نہ جانتے ہوں - یا ایسی جس کے قبول کرنے میں ان کو پس و پیش ہو - ہاں یہ ضرور ہوا کہ جو کجی تھی سیدھی کر دی گئی اور جو خرابی تھی ' رفع کر دی گئی -

(٥) انبیاء پر جو شریعت نازل ہوتی ہے اس کے دو حصے ہوتے ہیں ' ایک وہ عقائد و مسائل جو مذہب کے اصول کلیہ ہوتے ہیں - اس حصہ میں تمام شریعتیں متحد ہوتی ہیں مثلاً خدا کا وجود ' توحید ' ثواب و عقاب ، شعائر اللہ کی تعظیم ' نکاح ' وراثت وغیرہ - دوسرے وہ احکام اور سنن جو خاص انبیاء کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں اور جن کی بناء پر کہا جاتا ہے کہ شریعت موسوی مثلاً شریعت عیسوی سے مختلف ہے - شریعت کا حصہ خاص خاص قوموں یا ملکوں کے مصالح اور فوائد پر مبنی ہوتا ہے - اور اس کی بنیاد زیادہ تر ان خیالات ، عقائد ، عادات ' معاملات رسوم ، طریق ' معاشرت اور اصول تمدن پر ہوتی ہے جو پہلے سے اس قوم میں موجود تھے - شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں - '' اسی طرح شریعت میں ان علوم اور اعتقادات و عادات کا لحاظ رکھا جاتا ہے - جو قوم میں مخزون اور جاری و ساری ہوتے ہیں' یہی وجہ تھی کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ بنی اسرائیل پر حرام ہوا ' اور بنی اسمعیل پر حرام نہ ہوا اور یہی وجہ ہے کہ کھانوں میں پاک اور نجس کی تفریق عرب کے مذاق پر محمول کی گئی ' اور یہی وجہ ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھانجی سے شادی کرنا ہمارے مذہب میں حرام ہے ، اور یہود کے ہاں نہیں "۔

آگے چل کر مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا اصول تمام انبیاء میں مشترک ہوتے ہیں - لیکن کسی نبی کی رسالت عام ہوتی ہے ' اور تمام عالم کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوتا ہے ، اس کی ہدایت اور تلقین میں بعض زائد خصوصیات ہوتی ہیں - جو اور انبیاء میں نہیں پائی جاتیں -

"اوپر بیان ہو چکا ہے کہ پیغمبر جس قوم میں مبعوث ہوتا ہے ' اس کی شریعت میں اس قوم کے عادات اور خصوصیات کا خاص طریقے پر لحاظ ہوتا ہے - لیکن جو پیغمبر تمام عالم کے لئے مبعوث ہو اس کے طریقۂ تعلیم میں یہ اصول نہیں چل سکتا۔ کیوں کہ نہ وہ تمام دنیا کی قوموں کے لئے الگ الگ شریعتیں بنا سکتا ہے ' نہ تمام قوموں کی عادات اور خصوصیتیں باہم متفق ہو سکتی ہیں' اس لئے وہ پہلے اپنی قوم کی تعلیم و تلقین شروع کرتا ہے۔ اور ان کو محاسن اخلاق کا نمونہ بناتا ہے - یہ قوم اس کے اعضاء اور جوارح کا کام دیتی ہے اور اسی کے نمونے پر وہ تلقین کا دائرہ وسیع کرتا جاتا ہے - اس کی شریعت میں اگرچہ زیادہ تر وہ قواعد کلیہ اور اصول عامہ ہوتے ہیں - جو تقریباً تمام دنیا کی قوموں میں مشترک ہیں - تاہم خاص اس کی قوم کی عادات اور خصوصیات کا لحاظ زیادہ ہوتا ہے ' لیکن جو احکام عادات اور حالات کی بناء پر قائم ہوتے ہیں - ان کی پابندی مقصود بالذات نہیں ہوتی ' اور نہ ان پر چنداں زیادہ زور دیا جاتا ہے " —

اس اصول کو شاہ ولی اللہ صاحب نے حجة اللہ البالغہ (ص — ۱۲۳) میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے - چنانچہ فرماتے ہیں :-

" یہ امام جو تمام قوموں کو ایک مذہب پر لانا چاہتا ہے۔ اس کو اور چند اصول کی جو اصول مذکورہ بالا کے علاوہ ہیں ' حاجت پڑتی ہے - ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ایک قوم کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راہ راست پر بلاتا ہے، اس کی اصلاح کرتا ہے، اس کو پاک بنا دیتا ہے - پھر اس کو اپنا دست و بازو قرار دیتا ہے - یہ اس لئے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ یہ امام تمام دنیا کی قوموں کی اصلاح میں جان کھپائے - اس لئے ضروری ہوا کہ اس کی شریعت کی اصل بنیاد تو وہ ہو جو تمام عرب و عجم کا فطری مذہب ہو - اس کے ساتھ خاص اس کی قوم کے عادات اور مسلمات کے اصول بھی لئے جائیں۔ اور ان کے حالات کا لحاظ بہ نسبت اور قوموں کے زیادہ تر کیا جائے - پھر تمام لوگوں کو اس شریعت کی پیروی کی تکلیف دی جائے کیوں کہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ہر قوم اور ہر پیشوائے قوم کو ہر زمانے میں اجازت دے دی جائے کہ وہ اپنی شریعت آپ بنالیں - اس سے شریعت کا جو مقصود ہے وہ بھی فوت ہو جائے گا - نہ یہ ہو سکتا ہے کہ قوم کی عادات اور خصوصیات کا پتہ لگایا جائے، اور ہر ایک کے لئے الگ الگ شریعت بنائی جائے - اس بناء پر اس سے بہتر اور آسان کوئی اور طریقہ نہیں کہ خاص اس قوم کی عادات، شعائر، تعزیرات، اور انتظامات کا لحاظ کیا جائے، جن میں یہ امام پیدا ہوا ہے، اس کے ساتھ آنے والی نسلوں پر ان احکام کے متعلق چنداں سخت گیری نہ کی جائے ''۔

اس کے بعد مولانا شبلی فرماتے ہیں :-

''اس اصول سے یہ بات ظاہر ہوگی کہ شریعت اسلامی میں چوری، زنا، قتل وغیرہ کی جو سزائیں مقرر کی گئیں ہیں - ان میں کہاں تک عرب کی رسم و رواج کالحاظ رکھا گیا ہے، اور یہ کہ ان سزاؤں کا بعینہا اور بخصوصہا پابند رہنا کہاں تک ضروری ہے ''۔

مولانا سندھی اور مولانا ابوالکلام کی طرح علامہ اقبال بھی اس ضمن میں انہی نتائج پر پہنچے تھے - پروفیسر محمد عثمان اپنے مضمون '' قرآن کی آئینی حیثیت اور اقبال'' میں اس بارے میں لکھتے ہیں -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''وہ (علامہ اقبال) حدیث کے شیدائی اور فقہ اسلامی کے بڑے قدردان تھے اس کے باوجود جہاں تک ان کی شرعیت اور قطعیت کا تعلق ہے وہ اسے ہرگز تسلیم نہ کرتے تھے۔ اس بات کا ثبوت ان خطوط سے بھی ملتا ہے جو اس موضوع پر انہوں نے سید سلیمان ندوی کو لکھے۔ ۱۹۲۴ء اور اس کے بعد کے کتنے ہی خطوط میں حدیث کی شرعی حیثیت کا سوال زیر بحث آیا۔ ۱۹۲۴ء میں ان کی نظر سے ایک امریکی مستشرق کی ایک کتاب گذری، جس میں علامہ آمدی کے حوالے سے درج تھا کہ اجماع صحابہ' قرآن حکیم کے کسی حکم کو ملتوی یا منسوخ کر دینے کا مجاز تھا۔ اقبال کو اس خیال پر بڑا تعجب ہوا۔ انہوں نے جب اس بات کی وضاحت سید سلیمان ندوی سے چاہی تو معلوم ہوتا ہے سید صاحب نے صحابہ کے اس (مفروضہ) طرز عمل کے لئے کوئی جواز یا تاویل پیش کی اور کہا کہ بعض علما نے لکھا ہے کہ صحابہ کے علم میں ایسا کوئی حکم ہونا ممکن تھا جس کی بنا پر وہ نص قرآن کے دائرہ عمل کو گھٹا یا بڑھا سکتے تھے۔ اس پر اقبال نے سید صاحب کو لکھا کہ '' وہ ناسخ حکم سوائے حدیث نبوی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا اس سے معلوم ہوا کہ حدیث ناسخ قرآن ہو سکتی ہے، جس سے کم از کم مجھے تو انکار ہے۔'' (اقبال نامہ حصہ اول ص ۱۳۰)۔

بحث جب آگے بڑھی تو ایک موقعہ پر سید صاحب نے رسول کریم کے طرز اجتہاد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ حضور سرور کائنات سے جب کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو آپ بعض دفعہ وحی کا انتظار فرماتے۔ اگر وحی نازل ہوتی تو اس کے مطابق مسائل کا جواب دیتے۔ اور اگر وحی کا نزول نہ ہوتا قرآن شریف کی کسی آیت سے استدلال فرماتے اور جواب کے ساتھ وہ آیت بھی پڑھ دیتے (اقبال نامہ حصہ اول سنہ ۱۴۱) اس کے جواب میں اپنے ۱۶ اکتوبر سنہ ۱۹۲۴ء کے خط میں لکھتے ہیں ''دریافت امریہ ہے کہ جو جواب وحی کی بنا پر دیا گیا وہ تمام امت پر حجت ہے (اور وہ وحی بھی قرآن شریف میں داخل ہوگئی) لیکن جو جواب محض استدلال کی بنا پر دیا گیا، جس میں وحی کو دخل نہیں، کیا وہ بھی تمام امت پر حجت ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے لازم آئے گا کہ حضور کے تمام استدلالات بھی وحی میں داخل ھیں یا بالفاظ دیگر کہ قرآن و حدیث میں کوئی فرق نہیں'' (ایضاً ص ۱۴۲)

اس کے جواب میں سید صاحب نے لکھا کہ جو جواب محض استدلال کی بنا پر دیا گیا وہ بھی (وحی خفی) میں داخل ھے اور تمام امت پر حجت ھے۔ تو ایک عرصے کے بعد بڑے نفیس پیرائے میں اپنے اختلاف رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ھیں کہ۔

'' عبادات کی حد تک تو ٹھیک لیکن جہاں تک معاملات کا تعلق ھے شرعیت احادیث کے سوال پر ابھی تک میرا دل اپنی تحقیقات سے مطمئن نہیں '' (ایضاً ص ۱۴۷)۔

...... چند سال بعد مولانا شبلی کی '' الکلام '' میں اقبال کی نظر سے شاہ ولی‌اللہ کا ایک اقتباس نظر سے گذرا جس نے ان کو چونکا دیا (ایضاً ص ۱۶۰)۔ اور جو خیال ان کے دل کی گہرائیوں میں سالہا سال سے موجود تھا اور جس کی تصدیق و تائید وہ کسی مستند عالم دین سے چاہتے تھے، وہ ھوگئی، پھر سید سلیمان کہتے ھی رھے کہ مولانا شبلی نے شاہ صاحب کے الفاظ کے جو وسیع معنی لئے ھیں وہ صحیح نہیں (ایضاً ص ۱۶۱) مگر اقبال کا دل اب اپنی تحقیقات سے مطمئن ھو چکا تھا۔''

© rasailojaraid.com